إنما أنا قاسم والله يعطي

سوانح قاسمی ۱۳۷۳ھ

یعنی سیرت شمس الاسلام

سیدنا الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ

حصہ دوم

مؤلفہ

رئیس القلم حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی عم فیوضہ

حسب ہدایت

حضرت مولانا محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

دفتر دارالعلوم سے شائع کی گئی

فون نمبر (43230)

انما انا قاسم واللہ یعطی

سوانح قاسمی

یعنی

سیرت سیدنا الامام الکبیر شمس الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی

قدس اللہ سرہ العزیز

جلد دوم

مؤلفہ

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی عم فیضہ

بایماء

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مرتب ہو کر

دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوئی

(نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند)

فہرست مضامین سوانح قاسمی جلد دوم

ہندوستانی طبقات کی طرف سے بھی کافی پشت پناہی کی گئی۔ آخر مئی ۱۸۵۷ء میں جو شرارہ اڑا تھا، جلتے اور جلاتے ہوئے بقول راجہ شیو پرشاد

"۱۸۵۸ء کے آخر ہوتے ہوتے جہاں کا تہاں فرو ہو گیا۔"

(تاریخ جام جہاں نما ص ۱۲۹)

اپنے موضوع سے ہٹ کر اجمالاً جو کچھ اس واقعہ کے متعلق مجھے عرض کرنا پڑا۔ اس کی غرض بھی یہی تھی، کہ اس مدت کے بارہ میں پڑھنے والوں کو آسانی ہو، جس میں یہ واقعہ ہندوستان میں گذرا تھا۔ یعنی مئی ۱۸۵۷ء سے مارچ ۱۸۵۸ء تک۔ جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے، کہ ڈیڑھ سال سے دو سال تک کم و بیش ملک اس ہنگامہ کا شکار رہا۔ خبر رسانی کا کوئی باضابطہ نظام تو نہ تھا۔ لیکن بہر حال صحیح یا غلط خبریں پھیلتی ہی رہتی تھیں۔ مصنف امام نے بھی لکھا ہے کہ،

"خبروں کا اس وقت میں چرچا تھا۔ جھوٹی سچی ہزاروں گپ شپ اڑا کرتی تھیں۔"

کبھی معلوم ہوتا تھا کہ فلاں مقام پر ہندوستان کا پلہ انگریزوں کے مقابلہ میں بھاری ہو گیا ہے۔ اڑانے والے زیادہ تر مزید دماغی اضافوں کے ساتھ اس قسم کی افواہیں زیادہ اڑایا کرتے تھے۔ اور کبھی یہ ماننے پر بھی لوگوں کو مجبور ہونا پڑتا تھا کہ انگریز غالب آ گئے، عوام تو خیر، لیکن جہاں تک میرا خیال ہے، ملک کے ارباب فکر و بصیرت کی نظر زیادہ تر دلی پر اور دلی کے بعد تازہ مردہ حکومت کے پایہ تخت لکھنؤ[1] پر جمی ہوئی تھی، راجہ شیو پرشاد جو اسی زمانہ کے آدمی ہیں

---

[1] اختر پیا کی اختر نگری پھر یلوں والا شہر لکھنؤ واجد علی شاہ سے خالی ہو جانے کے بعد بن چکا تھا لیکن شاہ مرحوم کی جلا وطنی پر سال بھر کا زمانہ بھی نہیں گذرا تھا، یعنی ۷ فروری ۱۸۵۶ء کو انگریزی حکومت کی طرف سے ملک اودھ کی ضبطی کا اشتہار جاری ہوا۔ ۱۸۵۷ء کی جنوری میں فوج کمپنیاں بدلنے لگی، مئی تک فوج اور فوج کے ساتھ ملک باغی ہو گیا۔ دراصل یہی وجہ تھی کہ جاندار چوٹ والے زخموں سے لکھنؤ کلی طور پر خالی نہ ہو پایا تھا، غدر کے بعد شہزادہ برجیس قدر کو لوگوں نے واجد علی کی مسند پر بٹھا دیا۔ برجیس نو عمر تھا۔ اس کی ماں بیگم ثانی نے حکومت کی باگ سنبھالی، انگریزوں کو لکھنؤ میں کافی دشواری پیش آئی۔ اگر نیپال کی امداد سات آٹھ ہزار فوج کی شکل میں (باقی اگلے صفحہ پر)

ان کی تاریخ کے اس فقرے کا یعنی

"دہلی اور لکھنؤ کے ٹوٹتے ہی باغیوں کی کمر ٹوٹ گئی" صفحہ ۱۲۹ جام جہاں نما

جس کا مطلب بھی یہی ہے۔

یہ اتفاق کی بات تھی کہ مقابلہ سب سے زیادہ ان ہی دونوں مقامات میں ہوا، اور کشمکش بھی سب سے زیادہ طویل ان ہی دونوں مقامات کی تھی۔ کافی وقفہ اسی لئے سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کا ان لوگوں کو مل گیا۔ جو عوام کے بھیڑ یا دھسان میں ابتداء ہی سے شریک نہیں ہوئے تھے، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس ہنگامہ میں شریک ہونے والوں میں ایک طبقہ تو ان لوگوں کا تھا، جن کے لئے "ہتو" کی آواز بس تھی، ہندو اور مسلمان دونوں ہی طرح کے مورخین کی کتابوں میں اس قسم کی باتیں جو ملتی ہیں۔ مثلاً راجہ شیو پرشاد نے لکھا ہے کہ

"اس عرصہ میں ہزار ہا قیدی چھٹے، اور انہوں نے شہر اور چھاونی کے لچے بدمعاش

(گذشتہ صفحہ سے) وقت پر انگریزوں کو میسر آتی تو کہنے والے کہتے ہیں کہ لکھنؤ کا سقوط آسان نہ تھا۔ رزیڈنسی کی کوٹھی بیلی گارڈ کے در و دیوار میں بھی جدوجہد کرنے والوں کی نشانیاں محفوظ ہیں۔ اس موقعہ پر بے ساختہ جی چاہ رہا ہے کہ ایک سنی ہوئی بات کا ذکر کر دوں، اگرچہ اب نہ ان باتوں کے سننے والے ہی رہ گئے ہیں اور نہ جاننے والے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی صدر الصدور سرکار آصفیہ قدس اللہ سرہ سے ایک دفعہ نہیں مختلف موقعوں پر یہ بات فقیر نے سنی تھی کہ انگریزوں کے مقابلہ میں جو لوگ لڑ رہے تھے، ان میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ بھی تھے۔ اچانک ایک دن مولانا کو دیکھا گیا کہ خود بھاگے جا رہے ہیں اور کسی چودھری کا نام لے کر جو باغیوں کی فوج کی افسری کر رہے تھے کہتے جاتے تھے کہ لڑنے کا کیا فائدہ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں۔ نواب صاحب ہی دوسرے واقعہ کا ذکر بھی فرماتے تھے کہ غدر کے بعد جب گنج مرادآباد کی ویران مسجد میں حضرت مولانا جا کر مقیم ہوئے تو اتفاقاً اسی راستے سے جس کے کنارے مسجد ہے کسی وجہ سے انگریزی فوج گذر رہی تھی، مولانا مسجد سے دیکھ رہے تھے، اچانک مسجد کی سیڑھیوں سے اتر کر دیکھا گیا کہ انگریزی فوج کے ایک سائیس سے جو باگ ڈور گھوڑے وغیرہ گھوڑے کا تھامے ہوئے تھا اس سے باتیں کر کے پھر مسجد واپس آ گئے، اب یاد نہیں رہا کہ پوچھنے پر یا خود بخود فرمانے لگے کہ سائیس جس سے میں نے گفتگو کی یہ خضر ہی تھے۔ جب پوچھا کہ کیا معاملہ ہے تو جواب میں کہا کہ حکم یہی ہوا ہے۔ یہ روایت نواب صاحب سے سنی ہوئی ہے، باقی خود خضر کا مطلب کیا ہے؟ نصرت حق کی خاص شکل تھی جو اس نام سے ظاہر ہوتی ہے تفصیل کیلئے شاہ ولی اللہ وغیرہ کی کتابیں پڑھئے گویا جو کچھ دیکھا جا رہا تھا اسی کے باطنی پہلو کا یہ مکاشفہ تھا ۱۲